

باب ۱

Contents

- موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت کا ذکر
- قصہ حزقیل
- قصہ یسوع علیہ السلام
- قصہ شموئیل (علیہ السلام)
- قصہ داؤدؑ ان کے زمانے کے حالات ان کے فضائل و شمائل ان کی نبوت کے دلائل اور ذکر اظہار
- داؤد علیہ السلام کی کیت حیات و کیفیت وفات
- قصہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت کا ذکر

موسیٰ کے بعد ہم یعنی ہم مؤرخین عموماً داؤدؑ کی نبوت کا ذکر کرتے ہیں لیکن بنی اسرائیل میں نبوت کی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے تو ان سے پہلے یوشعؑ اور کالب آتے ہیں۔ یوشع و کالب دونوں یوفنا کے بیٹے اور موسیٰ کے اصحاب میں شامل تھے۔ ان دونوں میں یوشع موسیٰ کے بہنوئی یعنی مریمؑ کے شوہر تھے اور ان دونوں میں کالب اور چند دوسرے لوگوں کے علاوہ وہی واحد شخص تھے جو اللہ تعالیٰ سے خائف رہتے تھے۔

یہی دونوں بھائی تھے جو درحقیقت بنی اسرائیل کے نقیب تھے اور وہ یہی دونوں تھے جنہوں نے بنی اسرائیل میں جہاد کا نعرہ بلند کیا تھا اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ (ان مشرکین) پر دروازے سے داخل ہو (یعنی ان پر چڑھائی کرو) اور خدا پر توکل کرو، اگر تم مومن ہو تو غالب رہو گے۔

ابن جریر لکھتے ہیں کہ ان دو بھائیوں کے بعد بنی اسرائیل میں مامور من اللہ حزقیل بن یوزی تھے جن کی رب العزت سے دعا کی وجہ سے وہ سب لوگ زندہ ہو گئے تھے جو بنی اسرائیل کے علاقے سے دشمن کے خوف سے نکل کر مر چکے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔

قصہ حزقیل

(قرآن شریف میں) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنے شہر سے نکلے تھے، ان کی تعداد ہزاروں تھی (لیکن) وہ موت سے خائف تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ مر جاؤ، پھر انہیں زندہ کر دیا اللہ تعالیٰ انسانوں پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ (اس کا) شکر ادا نہیں کرتے۔“ محمد بن اسحاق وہب بن منہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب یوشعؑ کے بعد کالب بن یوفنا بھی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تو ان کے بعد بنی اسرائیل میں جو قابل ذکر شخصیت رہ گئی وہ حزقیل علیہ السلام کی تھی اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، وہ حزقیل علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی جس کے نتیجے میں جیسا کہ مندرجہ بالا قرآنی آیت کے حوالے سے ابھی بیان کیا گیا کہ وہ ہزاروں آدمی جو موت کے خوف سے اپنے شہر سے نکل بھاگے تھے کیونکہ وہاں وبا پھیل گئی تھی لیکن اس کے باوجود قضائے الہی سے مر گئے تھے، زندہ ہو گئے تھے۔

ہوا یہ تھا کہ جب وہ اپنے شہر سے نکل کر صعیہ پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب کے سب یک لخت مر گئے تھے اور زمین میں ان کا گوشت ان کی ہڈیوں سے جدا ہو کر خاک میں مل چکا تھا تاہم لوگوں نے اس سے قبل ان سب کو ایک جگہ دفن کر دیا تھا تا کہ درندے ان کا گوشت نہ کھا جائیں اور پھر اس جگہ ایک خطرہ (مقبرہ) بھی بنا دیا گیا تھا اور اس واقعے کو مدتیں گزر گئی تھیں لیکن جب حزقیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کا اس طرف سے گزر ہوا تو انہیں اس واقعے کا علم ہوا جس پر وہ بہت حیران ہوئے اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ ان مردہ لوگوں کو دوبارہ زندہ دیکھنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان ہزاروں مردہ اشخاص کو زندہ کر کے انہیں دیکھا دیا یعنی وہ سب کے سب فی الفور بلند آواز سے نکبیر پڑھتے ہوئے ان کے سامنے زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

اسباط نے بھی السدی، ابی مالک، ابی صالح، ابن عباس، مرہ ابن مسعود، اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مندرجہ بالا قرآنی آیہ شریفہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ایک گاؤں جس کا نام داوردان لیا جاتا تھا اور وہ واسط سے قبل آباد تھا میں طاعون پھیل گیا تو بہت سے لوگ وہاں سے بھاگ کر ایک نزدیکی علاقے میں چلے گئے تھے۔ تاہم جو لوگ وہاں سے بھاگنا مناسب نہ سمجھ کر اور مشیت ایزدی کو آمتا و صدقا کہہ کر وہیں رُکے رہے تھے ان میں سے اکثر اس وبا کا شکار ہونے سے بچ گئے تھے اور جب ان بھاگے ہوئے لوگوں میں سے کچھ لوگ جو دوسری جگہ پہنچے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو وہاں اتفاقاً ایک بار پھر طاعون پھیل گیا۔ لیکن اب کے اس گاؤں کے سب لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو قدرت خداوندی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ وہ دوسری جگہ منتقل ہونے کے با وصف اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام کے تمام ہلاک ہو گئے۔ اس کرشمہ قدرت سے اللہ تعالیٰ کو یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس کے بندوں میں سے جس کی موت آتا ہوتی ہے ہر جگہ آ جاتی ہے یعنی اس کا آنا ناگزیر ہوتا ہے خواہ اس سے بچنے کے لیے وہ کہیں بھی بھاگ کر چلا جائے۔

اس واقع کا ذکر کرتے ہوئے اسباط بیان کرتے ہیں کہ داوردان کے لوگ دوسری بار جہاں بھاگ کر گئے تھے وہ جگہ قابل کہلاتی تھی اور وہاں پہنچنے والوں کی تعداد

ہزاروں پر مشتمل تھی کچھ لوگوں نے ان کی تعداد تیس ہزار بتائی ہے۔ قابل ایک وسیع و عریض وادی تھی جس کے نشیبی حصے سے ایک غیبی آواز آئی تھی کہ ”مر جاؤ“ اور وہ سب مر گئے تھے۔ البتہ جب حزقیل (علیہ السلام) کو مدتوں بعد وہاں سے گزر ہوا تھا اور وہ وہاں کے لوگوں سے جن میں یہ روایت ایک زمانے سے مشہور چلی آ رہی تھی یہ واقعہ سن کر حیران رہ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان سے دریافت فرمایا تھا کہ آیا وہ اس کرشمہ قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کے اثبات میں جواب اور التجا (دعا) کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کی واحد قبر سے انہیں دوبارہ زندگی عطا فرما کر حزقیل کے سامنے کھڑا کر دیا تھا اور جیسا کہ محمد بن اسحاق کی بیان کردہ روایت میں پہلے بتایا جا چکا ہے، وہ سب کے سب یک زبان اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے یک زبان ہو کر سبحانک اللہم و بحمدک لا اِلهَ اِلاَّ اَنْتَ (ترجمہ: ”پاک ہے تو اے اللہ! اور تیری حمد کے ساتھ، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔“) کیا تھا۔ حالانکہ اس وقت تک ان کا گوشت تو گوشت کی ان ہڈیاں تک سرمہ ہو کر خاک میں مل چکی تھیں لیکن اب وہ زندہ ہو کر اپنی قوم میں چلے گئے تھے، تاہم اب وہ برائے نام کپڑوں میں ملبوس تھے اور ان کے چہروں پر اب تک مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنی اپنی طبعی موت مر گئے تھے۔

ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کی تعداد ایک جگہ صرف چار ہزار، دوسری جگہ آٹھ ہزار بتائی لیکن جب ابی صالح نے ان کی تعداد نو ہزار بتائی تو ابن عباس نے بھی اسے صحیح تسلیم کیا لیکن انہوں نے آخر میں بتایا کہ ان کی صحیح تعداد چالیس ہزار تھی۔

سعید ابن عبد العزیز کی روایت کے مطابق وہ لوگ اہل اذرعات میں سے تھے۔ ابن جریج عطاء کے حوالے سے کہتے ہیں کہ موت کا خوف یوں تو (قریباً) ہر فرد بشر کو لاحق ہوتا ہے لیکن یہ واقعہ قدرت خداوندی کی مثالوں میں سے ایک مثال بن گیا ہے جو آج تک جمہور کی قوی ترین روایت بنتا چلا آ رہا ہے۔

امام احمدؒ اور صاحبان صحیح یعنی بخاری و مسلم (رحمہما اللہ) نے زہری کے توسط اور عبد الحمید بن عبد الرحمن بن زید بن خطاب، عبد اللہ بن حارث بن نوفل اور عبد اللہ بن عباسؓ کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) شام کی طرف جاتے ہوئے سرخ میں ٹھہرے تھے تو ان سے ملاقات کے لیے عساکر اسلام کے امیر ابوعبیدہ بن جراح اور ان کے ساتھی دیگر امرائے لشکر آئے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ شام میں وبا پھوٹ پڑی ہے یعنی کوئی سخت ترین مرض وبا کی شکل اختیار کر گیا ہے جس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے ہمسفر لوگوں سے جن میں مہاجرین و انصار دونوں شامل تھے آگے جانے کے بارے میں مشورہ طلب کرنے کے لیے مجلس مشاورت کا اعلان کیا تھا لیکن اسی دوران میں عبد الرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) جو کسی ضروری کام سے پیچھے رہ گئے تھے وہاں آ گئے اور حضرت عمرؓ کو بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ ”زمین کے جس خطے میں تمہارا قیام ہو اگر وہاں وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے بھاگو مت اور جس جگہ کے بارے میں تمہیں علم ہو جائے کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں جاؤ مت“ مذکورہ بالا راویوں کے مطابق عبد الرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) کی زبان سے یہ ارشاد نبی کریم ﷺ سن کر شام جانے کی بجائے حضرت عمرؓ سرخ ہی سے مدینہ واپس ہو گئے تھے۔

امام (احمدؒ) فرماتے ہیں کہ ان سے حجاج اور یزید الشقی نے ان سے ابن ابی ذویب کے توسط اور زہری، سالم اور عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے راستے میں تھے تو انہیں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی سنائی تھی کہ جب کسی جگہ کسی قوم کو وبا کا سامنا ہوتا ہے تو درحقیقت وہ اس قوم پر عذاب خداوندی کی ایک شکل ہوتی ہے۔ اگر تم (انفاقاً کسی ایسی جگہ ہو تو وہاں سے بھاگو مت اور اگر کسی جگہ کے بارے میں تمہیں اس کی اطلاع ملے تو وہاں جاؤ مت) اس روایت کے آخر میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حدیث سنی تھی تو وہ (شام جانے کی بجائے) راستے ہی سے لوٹ آئے تھے۔ امام احمدؒ نے اس روایت کو زہری کے حوالے سے مالک کی زبانی بھی بیان کیا ہے۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں حزقیل (علیہ السلام) کے دور نبوت کی مدت کے بارے میں انہوں نے کسی سے ذکر نہیں سنا۔ البتہ یہ سنا ہے کہ ان کی وفات کے بعد جب ان کی قوم دوبارہ اصنام پرستی میں مشغول ہو گئی اور ان میں سے ایک بت کا نام ”بعل“ رکھ کر اس کی پرستش کرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی قوم ہی میں سے اس کی اصلاح کے لیے الیاس بن یاسین کو مبعوث فرمایا۔

ہم حضرت الیاسؑ بن یاسین بن فحاص بن عیزار بن ہارون ابن عمران کا تفصیلی ذکر اس لیے پہلے ہی کر چکے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں ان کا ذکر حضرت خضر (علیہ السلام) کے تفصیلی ذکر کے ساتھ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ذکر کے ضمن آیا ہے لیکن چونکہ سورۃ صافات میں ان کا ذکر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ذکر کے بعد آیا ہے اس لیے ہم نے یہاں ان کے ذکر کا مختصراً اعادہ کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحاق نے وہب ابن منبہ کے حوالے سے حضرت الیاسؑ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ان کے وصی یسح بن اخطوب کو نبوت عطا فرمائی تھی جن کا ذکر آگے آئے گا۔

قصہ یسح علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النعام میں دوسرے انبیاء کے ساتھ یسحؑ کا نام بھی لیا ہے۔ ارشاد ہوا: ”اور اسماعیل اور یسح اور یونس و لوط (تھے جنہیں) ہم نے تمام عالمین پر فضیلت بخشی“۔

نیز سورۃ ص میں ارشاد ہوا: ”اور اسماعیل و یسح اور ذی کفل کو یاد کیجیے جو سب کے سب اہل خیر میں سے تھے۔“

ابو حذیفہ اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں سعید نے قتادہ و حسن کے حوالے سے بتایا کہ حضرت الیاسؑ کے بعد حضرت یسحؑ نبی ہوئے اور انہوں نے بھی خدا کے فضل و کرم سے نبوت کی ذمہ داری بہ تمام و کمال ادا کی۔ انہوں نے لوگوں کو حضرت الیاسؑ کے طور طریق اور شریعت کی طرف دعوت دی لیکن ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پھر نازیبا حرکات اور کفر و ضلالت میں مبتلا ہو گئے۔ انہی میں وہ ظالم و جابر لوگ بھی تھے جنہوں نے جبر اور جور و ظلم کی انتہا کر دی۔ حتیٰ کہ انبیاء کو بھی قتل کر ڈالا۔ بادشاہ عنید طارح بھی انہی میں سے تھا لیکن کہا جاتا کہ اس نے تائب ہو کر مذہب انبیاء سے رجوع کر لیا تھا اور وہ ان کی کلمات بھی کرتا رہا تھا۔ اسی لیے وہ ذی کفل کہلایا اور جنت کا مستحق ٹھہرا۔

محمد بن اسحاق نے یسح کا نام یسح بن اخطوب بتایا ہے جب کہ حافظ ابوالقاسم بن عساکر کہتے ہیں کہ وہ یسح در حقیقت اسباط بن عدی بن شولم بن افراتیم بن یوسف بن یعقوب بن ابراہیم خلیل تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ الیاس کے چچا زاد بھائی تھے اور بادشاہ بعلبک کے خوف سے انہی کے ساتھ جبل قاسدین میں جاچھپے تھے اور انہی کے ساتھ وہاں سے لوٹ کر بعلبک آگئے تھے۔ پھر جب حضرت الیاس وفات پاگئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔

عبد النعم بن ادیس نے بھی اپنے والد اور وہب بن منبہ کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے جب کہ ان کے علاوہ کچھ لوگوں نے ان کی اقامت گاہ بانیاس بتائی ہے۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ کچھ قادی یسح کے حرف "س" کو مشدد پڑھتے اور کچھ غیر مشدد پڑھتے ہیں۔ جب کہ بعض اسے حرف عطف واؤ کے بعد "الیسح" بھی پڑھتے ہیں۔ بہر کیف انبیاء (علیہ السلام) میں یہ پہلا اور واحد نام ہے (جو [۸۱] قرآن میں آیا ہے)

چونکہ کچھ مؤرخین نے یسح کو ابن ایوب بھی لکھا ہے اس لیے ہم نے اس سے قبل ذی کفل یعنی یسح کا ذکر ایوب کے بعد کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

اضافہ [۸۱] از مترجم (شادانی)

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ یسح کے بعد بنی اسرائیل کی عزت و حشمت پر زوال آگیا تھا کیونکہ انہوں نے پہلے کی طرح انعام پرستی شروع کر دی تھی اور انبیاء (علیہ السلام) تک کو قتل کرنے لگے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر از روئے انصاف ان سے زیادہ جابر و ظالم حکمران مسلط کر دیئے جو ان کا خون بہانے لگے۔

ان حکمرانوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان کے دشمن ہو گئے۔ تاہم جب بھی ان دشمنوں میں سے کسی دشمن کو مغلوب کر لیتے تھے تو اس کی لاش کو تابوت میں، جسے وہ تابوت میثاق کہتے تھے رکھ کر اسے اپنے لیے باعث خیر و برکت سمجھتے تھے اور اب موسیٰ و ہارون کے بعد بس یہی ایک چیز تفاخر و طمانیت کا سبب رہ گئی تھی۔ پھر جب انہوں نے دشمنوں کے ساتھ لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں غزوہ و عسقلان پر قبضہ کر لیا تو اس فتح کے بعد نہ صرف اپنی ہی رعایا پر اپنے ظالم و جابر حکمرانوں سے کہیں زیادہ ظلم و قہر کے پہاڑ ڈھائے بلکہ اپنے اپنے مقبوضات کے سلسلے میں باہم لڑنے جھگڑنے لگے تو بنی اسرائیل ہی کا ایک حکمران ان کے سروں پر سوار ہو کر ان کی گردنیں توڑنے لگا اور جب وہ خود ایک بڑی تکلیف دہ اور اذیت ناک موت مرا تو اس کے بعد بنی اسرائیل بھیڑ بکریوں کا ایک ایسا گھگھوڑا ہو کر رہ گئے جس کا کوئی چرواہا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے پھر انہی میں سے ان کی اصلاح کے لیے ایک شمول نام کا ایک نبی مبعوث فرمایا جس کا قصہ ہم قصص القرآن پر مبنی پہلے قصص الانبیاء کی طرح ان شاء اللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں شمول بن بانی کو مبعوث فرمایا اس وقت یوشع بن نون کو وفات پائے چار سو ستر سال گزر چکے تھے۔ ابن جریر نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے لیکن ہم نے اسے بخوف طوالت یہاں بیان کرنا قصداً چھوڑ دیا ہے۔

قصہ شمول (علیہ السلام)

(اسی قصے سے داؤد کی ابتدا ہوتی ہے) شمول بن بانی بن علقمہ بن یرغام بن یہو بن تہو بن صوف بن علقمہ ابن ماحث بن عموصا بن عز ریا کو اشمویل بھی کہا جاتا ہے۔

مؤرخ مقاتل کہتے ہیں کہ وہ حضرت ہارون کے اخلاف اور ورثا میں سے تھے جب کہ مجاہد نے انہیں اشمویل بن ہلفاتا بیان کیا ہے 'تاہم اکثر دوسرے لوگوں میں سے کسی نے ان دو مؤرخین کے بیانات سے آگے اور کوئی بات نہیں کہی ہے۔ واللہ اعلم

السدی ابن عباس 'ابن مسعود اور صحابہ میں سے کچھ دوسرے لوگوں کے علاوہ ثعلبی وغیرہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب علقمہ نے بنی اسرائیل کے مقبوضات غزوہ و عسقلان ان سے چھین کر ان کے اکثر لوگوں کو وہاں نہ تیج کر دیا اور ان کے رہے سبے بیٹوں سے بدسلوکی کے علاوہ انہیں سب و شتم کا ہدف بھی بنانے لگے اور بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت بھی ختم ہو گیا تو اسی زمانے میں اس قوم کی ایک لا ولد عورت نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ اسے ایک ایسا بیٹا دے جو خدا کا ذکر کیا کرے۔ چنانچہ اس عورت کی بارگاہ باری تعالیٰ میں اس دعا کی قبولیت کے بعد اس کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام اشمویل رکھا جس کے معنی عبرانی زبان میں اسماعیل ہوتے ہیں یعنی "اللہ تعالیٰ نے میری دعا سن لی" پھر جب اس عورت کا وہ بیٹا ذرا بڑا ہوا تو اس نے اس عبادت گاہ میں ایک نیک شخص کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اسے نیکی و عبادت خداوندی کی تعلیم دے وہ لڑکا اس مرد صالح کے پاس رہتے رہتے اور تعلیم حاصل کرتے کرتے سن بلوغت کو پہنچا تو ایک روز رات کے وقت سوتے میں اُسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی اسے بلا رہا ہے۔ اس آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے اپنے بستر سے اٹھ کر اس مرد صالح سے پوچھا: "کیا آپ نے مجھے آواز دے کر بلایا ہے؟" مرد صالح: "نہیں تو"۔ اس پر اس نوجوان نے اپنے اس سر پرست و معلم کو بتایا کہ اس نے سوتے میں ایسا سنا تھا جیسے کوئی اسے آواز دے کر بلا رہا ہے۔

اس کے بعد شمول یا اشمویل نے یکے بعد دیگرے کئی راتوں تک وہی آواز سنی اور پھر ایک شب کو اسے معلوم ہوا کہ وہ آواز جبریل علیہ السلام کی تھی کیونکہ اس رات جبریل نے اس کے سامنے آکر اسے بتایا کہ اس کے پروردگار نے اسے اس کی قوم کی اصلاح کے لیے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ قصہ اور شمول ان کے اپنی قوم کے ساتھ باہمی امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے: "بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہِ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا

کر دیئے گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے یہ بھی کہا کہ خدا نے تم پر طاوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہ ہی کا حق کیسے ہو سکتا ہے بادشاہت کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ خدا نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے) مقرر فرمایا ہے اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور خدا کو (اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ وہ بڑا کشاکش والا اور دانا ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔ غرض جب طاوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پینے گا (وہ سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے (تو خیر۔ جب وہ نہر پر پہنچے) تو چند اشخاص کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طاوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے رو برو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح یاب کر۔ تو طاوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور خدا لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی کرنے سے ہٹاتا نہ رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔ لیکن خدا اہل عالم پر بہت مہربان ہے۔ (۲۴۱:۲-۲۴۲)

اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس قصے میں مذکورہ قوم کے جس نبی کا ذکر آیا ہے وہ شمویل تھے۔ تاہم بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یوشع اور شمویل فرد واحد کا نام ہے اور بعض مفسرین نے شمویل کو یوشع بتایا ہے لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے کیونکہ امام ابو جعفرین جریر نے اپنی تاریخ میں یوشع کی وفات اور شمویل کی بخت میں چار سوستر سال کا فصل بتایا ہے۔ پس واللہ اعلم

یہاں بحوالہ قرآن پاک اس قصے کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قوم کو جب لڑائیوں سے واسطہ پڑا اور اس کے دشمن اس پر ظلم کے پہاڑ ڈھانے لگے تو اس کے لوگوں نے اپنے نبی سے کہا کہ وہ خدا سے دعا کریں کہ وہ ان کے لیے کوئی بادشاہ مقرر فرما دے تاکہ وہ اس کے ساتھ یا اس سے جدا کر جیسا بھی موقع ہو اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ جیسا کہ اس قصے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ اگر تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے تو کیا تم جہاد کرو گے تو وہ بولے کہ ہم خدا کی راہ میں ضرور جہاد کریں گے اور یہ بھی کہا کہ بھلا ہمیں جہاد کرنے سے کون سی چیز مانع ہے کہ جب ہمارے دشمنوں نے ہمیں اور ہمارے بیٹوں کو ہمارے ملک سے نکال دیا ہے لیکن جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے 'جب ان سے جہاد کے لیے کہا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب نے اس سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ پھر جیسا کہ اس قصے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں نہر کا پانی پینے سے منع کیا گیا تھا لیکن ان میں سے چند کے سوا سب نے نہر سے پانی پیا اور لڑائی سے انکار کر کے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اس قصے میں قرآن شریف کے مطابق ان سے ان کے نبی نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے طاوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اس طاوت کا تاریخی دستور کے مطابق پورا نام طاوت بن قیش بن امل بن صارو بن تھورت بن افح بن انیس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق ابن ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) بتایا ہے۔

عکرمہ اور السدی کہتے ہیں کہ طاوت پیشے کے لحاظ سے سقہ تھے جب کہ وہب بن منہ نے اسے دباغ یعنی کھالوں کو پکا کر صاف کرنے والا بتایا ہے۔ یہی وجہ ہو گی کہ اس کی قوم نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر کہ بادشاہی کا حق تو اس سے زیادہ انہیں ہے اور یہ کہ وہ ہم سے زیادہ صاحب مال و زر بھی نہیں ہے انکار کر دیا۔

مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ نبوت لادی کے اور بادشاہت بیہودا کے خاندان میں تھی لیکن جب وہ بنیامین کے خاندان میں آئی تو ان لوگوں نے ان کی اولاد میں سے کسی کو مذکورہ بالا بہانہ تراش کر بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اس لیے اسے یعنی طاوت ہی کو ان پر بادشاہت کے لیے منتخب فرمایا اور اسے علم جسمانی توانائی کی دولت و نعمت بخشی۔

کہا جاتا ہے کہ شمویل کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مطلع فرمایا تھا کہ طاوت کے سوا اس کے عصا کے برابر ان کی قوم میں سے کسی کا قد نہ ہوگا اور اس کے عصا کے برابر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شمویل سے ارشاد فرمایا تھا طاوت اور اس کے عصا کے برابر واقعی اس کے تمام دور بادشاہت میں اور کسی کا قد نہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بادشاہت کے لیے اس کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ تھی اور کچھ لوگ اس کی وجہ اس کا علم بتاتے ہیں اور کچھ دوسرے اس کی قوم میں صرف اس کا امتیازی قد و قامت لیکن ظاہر ہے کہ ارشاد خداوندی میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں اس کی بادشاہت کی وجہ فنون حرب میں اس کی انفرادی و امتیازی قابلیت تھی جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا حسن و جمال تھا کیونکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل میں اتنا خوبصورت شخص کوئی نہ ہوا تھا اور نہ انبیائے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم عطا فرمایا تھا نہ اتنی جسمانی توانائی بخشی تھی۔

اس کے علاوہ بنی اسرائیل میں اس وقت کے نبی شمویل (علیہ السلام) نے ارشاد خداوندی کے مطابق ان سے فرمایا تھا کہ ان کے لیے غیب سے ایک تابوت اترے گا جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی چھوڑی ہوئی چیزیں ہوں گی اور یہ کہ وہ تابوت ان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا اس لیے وہ لوگ جنہیں طاوت کو پہلے مذکورہ بالا وجہ کی بناء پر بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار تھا اب اس تابوت کی وجہ سے خیر و برکت سے کیونکر کنارہ کش ہو سکتے تھے جب کہ انہیں اپنے دشمنوں کا بھی خیال تھا اور وہ جانتے تھے کہ فنون حرب میں طاوت کی قابلیت ہی کی وجہ سے ان پر غلبہ حاصل ہو سکتا تھا اس لیے انہیں طاوت کو بادشاہ تسلیم کرنا ہی پڑا جس کا حکم ان کے نبی نے خدا کے حکم کے مطابق انہیں دیا تھا اس کے بعد جب انہوں نے اپنے دشمنوں سے لڑائیوں کے مواقع پر دیکھا کہ اس کا سفید چہرہ اس وقت سرخ ہو جاتا تھا تو انہیں اس کے زیر کمان رہ کر اپنے دشمنوں پر کامل فتح کا یقین ہو گیا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دور طاوت سے قبل مذکورہ بالا طاوت بنی اسرائیل کے قبضے میں تھا جو اصنام پرست تھے لیکن انہوں نے دیکھا کہ وہ طاوت خود بخود فرش سے اٹھ کر ان کے اس بت بعل کے سر پر پہنچ جاتا ہے جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ وہ اسے وہاں سے اتار کر فرش پر رکھتے لیکن اگلی صبح وہ پھر وہیں پہنچ جاتا۔ اس لیے انہوں نے تنگ آکر اسے دو آدمیوں کے ہاتھ بنی اسرائیل میں بھجوا دیا تھا جسے بنی اسرائیل اپنے نبی کے ارشاد کے مطابق اس غیبی امداد کو اپنے لیے وجہ خیر و برکت اور اپنے دشمنوں پر اپنی یقینی فتح کا سبب سمجھنے لگے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد مفسرین نے بھی بیان کیا ہے کہ شمویل (علیہ السلام) کے قسے میں جس نہر کا ذکر آیا ہے اور جس کا پانی پینے سے تھوڑی سی مقدار کے علاوہ بنی اسرائیل کو منع کیا گیا تھا اس کا نام کلام الہی کے مطابق نہر الاردن تھا اور وہ آج تک اس نام سے یعنی نہر اردن یا دریائے اردن کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

اسدی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لشکر کی تعداد اسی ہزار جوانوں اور امرائے لشکر پر مشتمل تھی جن پر چھہتر ہزار نے حکم الہی کے خلاف دریائے اردن کا پانی پی لیا تھا اور طاوت کے ہمراہ صرف چار ہزار افراد رہ گئے تھے جب کہ بخاری نے صحیح بخاری میں قصہ بنی اسرائیل کے ضمن میں اور زہیر و ثوری نے ابی اسحق البراء بن عازب کے حوالے سے بتایا ہے کہ طاوت کے ہمراہ اس کے جن فوجیوں نے دریائے اردن کو عبور کیا تھا ان کی تعداد اصحاب بدر یعنی تین سو تیرہ افراد سے زیادہ نہ تھی اور اسی لیے انہوں نے اس سے کہا تھا کہ ان میں ان کے دشمن جالوت کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود جب جالوت سے ان کا مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں جالوت پر فتح حاصل ہوئی تھی جیسا کہ اصحاب بدر کو قریش مکہ یعنی کفار کے مقابلے میں جن کی تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی اور جن کے پاس سینکڑوں گھوڑے تھے انہی کو جن کے پاس غزوہ بدر میں صرف دو گھوڑے تھے کامل فتح حاصل ہوئی کیونکہ یہ فتح بھی اہل ایمان کو خدا کے حکم سے حاصل ہوئی تھی اور اس کا ارشاد بھی یہی ہے کہ وہ چاہے تو قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر فتح دلا سکتا ہے۔

طاوت کے قلیل التعداد لشکریوں نے بھی جو اہل ایمان تھے اصحاب بدر کی طرح اللہ تعالیٰ سے وہی دعا کی تھی کہ (یا اللہ ہم پر صبر کے دہانے کھول دے) ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار پر فتح کے لیے ہماری امداد فرما) اور چونکہ اس دعا کے وقت ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور وہ خدا کی نصرت پر اعتماد رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے حسب مراد ان کے کثیر التعداد دشمن پر انہیں فتح بخشی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ "انہوں نے دشمن کو خدا کے حکم سے شکست دی" یہی بات اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہونے والے اہل ایمان سے قرآن میں فرمائی: "اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم (قلیل تعداد میں) کمزور تھے اس لیے اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکر گزار بن سکو"۔ پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے طاوت کے تھوڑے سے ساتھیوں کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے طاوت کو نہ صرف بادشاہت بخشی بلکہ اسے علم و حکمت کی دولت سے بھی مالا مال کر دیا۔

اس قصے میں داؤد (علیہ السلام) کی شجاعت کا بھی مدلل ثبوت ملتا ہے جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا اور چونکہ ان کی حریف فوج کو نہ صرف شکست ہوئی تھی بلکہ دشمنوں کا بادشاہ بھی چونکہ میدان جنگ میں مارا گیا تھا اس لیے سامانِ حرب و ضرب کے علاوہ اس کا دیگر سامان اور زر و جواہر بھی کثیر تعداد میں ان کے ہاتھ آئے تھے۔ اس سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ حق اور حق پرست نصرت الہی سے کس طرح باطل اور باطل پرستوں پر غالب آ جاتے ہیں۔

اسدی کی روایت میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے والد کے تیرا بیٹوں میں سب سے چھوٹے تھے اور ان میں سے دو یہ بیان کر چکے تھے کہ انہوں نے سنا ہے کہ طاوت نے اعلان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو شخص جالوت کو لڑائی میں قتل کرے گا وہ اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے علاوہ اسے اپنی سلطنت میں نصف کا شریک بھی کرے گا یعنی اس طرح وہ بنی اسرائیل کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ داؤد جو گو پیچھے سے پتھر پھینکا کرتے تھے غضب کے نشانہ باز تھے اور ان کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ داؤد ہی تمام بنی اسرائیل میں وہ واحد شخص تھے جنہیں ان کی قوم کے جانی دشمن جالوت سے لڑائی کے وقت ایک پتھر سے یہ آواز آتی سنائی دی تھی کہ: "مجھے اٹھا لو اور جالوت پر پھینکو تو مجھی سے تم جالوت کو قتل کر دو گے"۔

کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جالوت سے طاوت کی جنگ کے موقع پر داؤد کو پتھر سے جو آواز سنائی دی تھی وہ درحقیقت ایک کے بجائے تعداد میں تین تھے اور داؤد نے انہیں اٹھا کر اپنے گوبچوں میں رکھ لیا تھا تو وہ تینوں ایک پتھر بن گئے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ مذکورہ بالا لڑائی میں جب جالوت داؤد کے سامنے آیا تو انہوں نے اس سے فرمایا کہ "میرے سامنے سے ہٹ جا" میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا" داؤد سے یہ سن کر جالوت بولا: "لیکن میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ داؤد کی طرف بڑھا تو انہوں نے اپنے گوبچوں سے وہی پتھر اس کی طرف پھینکا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور یہ دیکھ کر اس کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئی۔

کہتے ہیں کہ جالوت پر فتح یاب ہونے کے بعد طاوت نے حسب اعلان داؤد سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور انہیں حسب وعدہ اپنی سلطنت میں بھی نصف کا شریک کر لیا لیکن داؤد کی اس شجاعت و دلیری کی وجہ سے بنی اسرائیل طاوت سے کہیں زیادہ ان کی عزت کرنے لگے جسے دیکھ کر طاوت رشک و حسد کا شکار ہو گیا اور اس نے داؤد کو قتل کرنا چاہا تو بنی اسرائیل کے علماء نے اسے اس سے روکا لیکن طاوت نے ان علماء میں سے اکثر کو قتل کر دیا تاہم وہ داؤد پر قابو پانے اور انہیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

بہر کیف کچھ عرصے کے بعد جب طاوت کا وہ جذبہ رشک و حسد کم ہوا تو وہ اپنے اس خیال باطل پر خود ہی نادم ہوا اور خدا کے سامنے تائب ہوا لیکن اس کی بے چینی میں جب اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو اس نے گریہ و زاری شروع کر دی اور زمین پر سر رگڑ رگڑ کر ایک عرصے تک فریاد کرتا رہا۔ آخر ایک روز اسے زمین سے ان علماء کی آواز سنائی دی جنہیں اس نے قتل کر دیا تھا کہ: "اے طاوت تو نے ہمیں قتل کر دیا تھا اور بظاہر اب ہم مردہ ہیں لیکن درحقیقت ہم زندہ ہیں"۔

زمین سے یہ آواز سن کر طاوت اور زیادہ خوفزدہ ہو گیا اور پہلے سے زیادہ گریہ و زاری کرنے لگا لیکن ایک روز جب اس نے اپنے کسی قریبی ساتھی کو اس حقیقت سے آگاہ کیا تو اس نے پوچھا: "ان علماء میں سے جنہیں آپ نے قتل کر دیا تھا کوئی باقی ہے یا نہیں؟"۔

اس سوال کے جواب میں اس نے بنی اسرائیل کے باقی ماندہ علماء کی تلاش شروع کی تو آخر کار اسے ایسے عالم کا پتہ معلوم ہوا جو اس وقت گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

طاووت نے اسے بلا کر پہلے تو اپنی سابقہ حرکت پر ندامت کا اظہار کیا اور پھر اس سے پوچھا کہ آیا اس کے اس پچھلے گناہ کی توبہ کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

اس عالم نے طاووت پر ترس کھا کر ایک ایسی عبادت گزار ضعیف عورت کی نشاندہی کی جو مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور تھی۔ جب اس عورت کو بلایا گیا تو وہ طاووت کو لے کر یوشع علیہ السلام کی قبر پر گئی اور اللہ تعالیٰ سے انہیں زندہ فرمانے کی دعا کی۔ اس کی دُعا واقعی بارگاہ رب العزت میں فوراً درجہ قبولیت کو پہنچی اور یوشع اپنی قبر سے زندہ ہو کر نکل آئے اور انہوں نے وہاں حاضرین سے پوچھا: ”کیا قیامت برپا ہو گئی ہے؟“ یوشع کے اس سوال کے جواب میں اس عورت نے آگے بڑھ کر کہا: ”نہیں ابھی قیامت نہیں آئی۔“

پھر اس نے ان سے طاووت کا ذکر کر کے جو سامنے ہی ندامت سے سر جھکائے کھڑا تھا عرض کیا: ”یہ اپنے پچھلے گناہوں پر حد درجہ نادم ہے اور چاہتا ہے کہ اسے بارگاہ الہی میں اس کی توبہ کی قبولیت کا طریقہ بتا دیا جائے۔ اس لیے میں اسے ساتھ لے کر یہاں حاضر ہوئی ہوں تاکہ آپ جو نبی تھے اسے وہ طریقہ بتادیں کیونکہ میں ایسا کوئی طریقہ نہیں جانتی۔“

یوشع نے فرمایا: ”وہ طریقہ یہ ہے کہ یہ (طاووت) یہ ملک چھوڑ دے اور خدا کی راہ میں اس وقت تک کافروں سے جہاد کرتا رہے جب تک قتل نہ ہو جائے اور یہ میت کی شکل میں یہاں واپس نہ آئے۔“

یوشع علیہ السلام کی زبان سے یہ سن کر طاووت نے ان کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور اپنا ملک چھوڑ کر سلطنت داؤد کے حوالے کر کے چلا گیا۔ اس کی اولاد میں سے اس وقت صرف تیرہ آدمی تھے جو سب کے سب اس کے ساتھ ہی وہاں سے چلے گئے اور اس وقت تک راہِ خدا میں جہاد کرتے رہے جب تک قتل نہ ہو گئے۔ ان میں خود طاووت بھی شامل تھا۔

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں یہ قصہ السدی کی طرح بہ اسناد روایت کیا ہے لیکن بعض جگہ یہ روایت محل نظر ہے اور قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے جس نبی نے طاووت کو بارگاہ باری تعالیٰ میں توبہ کی قبولیت اور اس کے سابقہ گناہوں کے سلسلے میں تلافی یافتہ کا طریقہ بتایا تھا وہ یسوع بن اخطوب تھے اور وہی طاووت کو یوشع کی قبر پر لے گئے تھے۔ ابن جریر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور یہی انسب معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ ثعلبی کا بیان ہے کہ وہ عورت طاووت کو اشوہیل کی قبر پر لے گئی تھی اور وہ اس کی دعا سے زندہ ہو کر اپنی قبر سے باہر آگئے تھے۔

یہ کسی نبی کا معجزہ تو ہو ناممکن ہے لیکن کسی عورت کا نبیہ ہونا بہر حال ناممکن ہے اور اس سے کسی ایسے معجزے کا منسوب کرنا بعید از قیاس ہے۔ واللہ اعلم اہل تو ریت کے نزدیک طاووت کے قتل ہونے تک اس کی مدت حکومت چالیس سال رہی۔

قصہ داؤدؑ ان کے زمانے کے حالات ان کے فضائل و شائل ان کی نبوت کے دلائل اور ذکر اظہار

عربی تواریخ کے مطابق حضرت داؤد کا پورا نام داؤد دین ایشا بن عوید [۸۱] بن عابر بن سلون بن نحشون بن عوبنا ذب بن ارم بن حصرون بن فلس ابن یہوذ ا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہؑ بتایا جاتا ہے جو لڑائی بہت المقدس میں اللہ تعالیٰ کے نبی کی حیثیت سے قیام پذیر رہے۔

محمد بن اسحاق بعض اہل علم اور وہب بن منہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ داؤد کا قد چھوٹا ان کی آنکھیں نیلگوں بال کم لیکن ان کا دل صاف اور طیب و طاہر تھا۔ ان کے ہاتھوں حالات کے قتل کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے جس کے بارے میں ابن عساکر مزید کہتے ہیں کہ انہوں نے جالوت کو مرج الصفر کے نواح میں قصاص حکیم کے قریب قتل کیا تھا اور اس کے بعد بنی اسرائیل نے انہیں بطور عزت افزائی اپنا بادشاہ بنا لیا اور وہ داؤد ہی تھے جو بیک وقت بنی اسرائیل کے بادشاہ اور ان کے نبی بھی تھے۔

یہ بادشاہت اور نبوت داؤدؑ اور ان کے بیٹے (سلیمانؑ) میں آخر تک قائم رہی یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت دونوں میں اس کیجا عظمت و فضیلت سے سرفراز فرمایا۔

جیسا کہ اس سے قبل جو آیات قرآنی پیش کی گئیں ان میں اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کے ہاتھوں جالوت کے قتل کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ روئے زمین پر کسی کو سلطانی بخشے کا مقصد یہ ہے کہ طاقت ور لوگ کمزوروں پر غلبہ حاصل نہ کرنے پائیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو دنیا میں فساد برپا ہو جائے اور طاقت ور لوگ کمزوروں کو ہمیشہ مغلوب رکھیں لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس لیے یہ سلسلہ جاری رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کتابوں میں ”السلطان ظل اللہ فی الارض“ بھی کہا گیا ہے یعنی بادشاہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ رحمت ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جن باتوں کا ارادہ قرآن کے ذریعہ ممکن نہیں ہوتا اسے اللہ تعالیٰ (جسے) بادشاہوں کے ذریعہ کرا دیتے ہیں۔

ابن جریر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب طاووت و جالوت کی جنگ ہوئی تو پہلے جالوت نے طاووت کو مقابلے کے لیے لاکھا تھا اس لیے وہ اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا تھا اور اپنے حریف جالوت کو قتل کر دیا تھا اور اس کے بعد طاووت اپنے عوام

[۸۲] ہمارے پیش نظر نسخے میں یہی لکھا ہے لیکن ابن جریر کے نسخہ تاریخ میں داؤد بن ایشی بن عوید بن باغر بن سلون بن نحشون ابن عمی نادب بن رام ابن الخ ہے جب کہ نسخہ عراقس میں ان کا بسب نامہ کچھ اور دیا گیا ہے جس سے رجوع کیجئے (محمود الامام) نسخہ عراقس دستیاب نہ ہو سکا۔ (مترجم)

میں اتنے ہر دلچیز ہوئے کہ انہوں نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس واقعے سے قبل شموئیلؑ بنی اسرائیل کے بادشاہ تھے اور انہیں نے طاوت کو اپنا وارث و جانشین بنایا تھا۔ تاہم ابن جریر کے بقول طاوت 'جاوت کے قتل کے بعد لوگوں میں پسندیدگی و ہر دلچیزی کی بناء پر بادشاہ ہوا تھا۔ واللہ اعلم

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ طاوت نے قمر حکیم کے پاس جاوت کو قتل کیا تھا اس کا محل وقوع بقول ابن عساکر وہی دریائے اردن کا کنارہ تھا جس کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے۔

طاوت کے ہاتھوں جاوت کے قتل کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے قصے کے ضمن میں قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس نے واؤڈ کو اپنے فضل سے یہ معجزہ عطا فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں آکر لوہا موم بن جاتا تھا جس سے وہ پہننے کے عام لباس کے علاوہ زرہ بھی بنا لیتے تھے جس سے وہ دشمنوں کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہو جاتے تھے۔ تاہم ان کے (بنی اسرائیل کے) جو اعمال تھے اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس نے پہاڑ اور پرندوں کو داؤڈ کے لیے مسخر کر دیا تھا اور وہ دیکھتے تھے کہ وہ یعنی پہاڑ اور پرندے اس کے تسبیح خواں ہیں یعنی ہمہ وقت خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے بندوں پر اس فضل و کرم کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرماتے ہیں کہ آیا اس کے اس فضل و کرم کے باوصف وہ اپنے خالق کے شکر گزار ہیں۔

یہ قصہ مجاہد و قتادہ اور حکم و عکرمہ نے بھی قرآن کے حوالے سے بہ تفصیل بیان کیا ہے۔

حسن بصری، قتادہ اور اعش بتاتے ہیں کہ داؤڈ کے اس معجزے کی بناء پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا انہیں لوہے کو تپانے اور کوٹنے پٹنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی جیسے دوسروں کو پڑتی تھی اور وہ آسانی سے اس کے تار بنا کر یا اسے کڑیوں میں تبدیل کر کے بالترتیب اس سے لباس یا زرہ بنا لیتے تھے جس سے انہیں چھ ہزار درہم تک آمدنی ہو جاتی تھی۔

داؤڈ کا ذکر فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی امت کو خود محنت کر کے حلال کی روزی حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور ان کے علاوہ قتادہ بھی کہتے ہیں کہ علماء و فقہاء اسلام کے ان افکار و اذکار کا ماحصل یہ ہے کہ اسی اکل حلال سے اہل ایمان کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ وہ رات بھر عبادت پر وردگار میں مشغول رہ کر نصف النہار تک روزہ سے رہ سکیں۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح پسند کرتا ہوں جیسے اس کی عبادت داؤڈ علیہ السلام کیا کرتے تھے اور روزہ بھی مجھے داؤڈ علیہ السلام کے روزہ کی طرح مرغوب ہے۔"

حضرت داؤڈ آدھی رات تک سوئے اور پھر اس کے تہائی حصے میں عبادت الہی میں گزارنے کے بعد اس کے چھٹے حصے میں آرام کر لیا کرتے تھے۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑ کر پھر روزہ رکھتے تھے۔

کلام الہی کے مطابق جب داؤڈ صبح و شام عبادت خداوندی میں مشغول ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہاڑ اور چرند و پرند بھی ان کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے اور چرند و پرند ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ یا جبال اوبی معہ و الطیرا، انا خزنا الجبال معہ یسبحن بالعی والاشراق۔ (ترجمہ: اے ادبی کے پہاڑو اس کے ساتھ اور پرندوں کو ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا ہے کہ شام اور طلوع آفتاب کے وقت تسبیح کریں)۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے داؤڈ علیہ السلام کو ایسی بے مثال آواز اور اس میں ایسا لہن عطا فرمایا تھا کہ ان کی قرأت سن کر پرندے ہوا میں اڑتے اڑتے رک جاتے اور پہاڑ اور تمام چرند و پرند ان کے ساتھ ذکر خداوندی میں مشغول ہو جاتے تھے۔

اوزاعی نے عبداللہ بن عامر کے حوالے سے لہن داؤڈی کے اس معجزے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کی آواز سن کر وحوش و طیور ان کے گرد جمع ہو کر رقص کرنے لگتے اور رقص کرتے کرتے ان میں سے بعض بے ہوش اور بعض مر بھی جاتے تھے۔

وہب بن منہ کہتے ہیں کہ داؤڈ جب زبور کی تلاوت کرتے تو ان کی بے مثال آواز سن کر نہ صرف جن و انس چلتے چلتے رک جاتے بلکہ وحوش و طیور ان کے گرد جمع ہو کر رقص کرتے اور کبھی رقص کرتے کرتے بے ہوش ہو جاتے اور کبھی کبھی مر بھی جاتے تھے۔

ابوعوانہ سے بساند مروی ہے کہ داؤڈ براط بجا کر زبور کی تلاوت کیا کرتے تھے 'لیکن یہ روایت غریب ہے۔ تاہم آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث مہارکہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی آواز آل داؤڈ کے مزامیر سے وراثت میں پائی ہے"۔ کیونکہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن پاک میں خوش الحانی بھی کسی معجزے سے کم نہ تھی۔ یہ حدیث نبوی شریفین کے حوالے سے صحیح مسلم میں بھی روایت کی گئی ہے۔

امام احمدؒ نے بھی حماد بن سلمہ کی زبانی محمد بن عمرؒ ابی سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مندرجہ بالا حدیث نبوی بیان کی ہے۔

داؤڈ کی تلاوت زبور میں جیسا کہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ایک دوسری جگہ عبدالرزاق کی زبانی اور معمر، ہمام اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے ایک تو کلام الہی کے اثر دوسرے خود ان کی سائرانہ آواز کی تاثیر سے جو نتائج پیدا ہوتے تھے وہ بعید از قیاس نہیں ہیں۔

بخاریؒ نے جو حدیث نبوی اس سلسلے میں خصوصیت سے عبد اللہ بن محمد اور عبد الرزاق کے حوالے سے پیش کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا گیا ہے کہ داؤڈ پہلے قرآن (اس حدیث میں جیسا کہ ظاہر ہے قرآن سے مراد زبور ہے) کی تلاوت شروع کرتے اور پھر اپنا ساز چھیڑتے تھے۔

اسی حدیث میں بخاریؒ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کے حوالے سے داؤد کے بدست خود روزی کے حصول اور اکل حلال کا ذکر بھی کیا ہے۔

بخاریؒ کی بیان کردہ اس حدیث نبویؐ کو موسیٰ ابن عقبہ نے بھی صفوان یعنی ابن سلیم عطاء بن یسار اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے جب کہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں داؤد کے قصے کے ضمن میں ابراہیم بن طہان، موسیٰ بن عقبہ، ابی عاصم، ابی بکر سہری اور صفوان بن سلیم کے حوالے سے داؤد کا مذکورہ معجزہ یعنی ان کے ہاتھ میں آکر لوہا موم ہو جاتا تھا اور ان کی بے مثال آواز کا ذکر کرتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث نبویؐ کا حوالہ بھی دیا ہے۔

قرآن شریف میں داؤد کے قصے کے ضمن میں کلام الہی کے الفاظ "(وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا)" (ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو زبور دی) جن کی تفسیر امام احمدؒ نے کی ہے زبور کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ ماہ رمضان میں ان پر نازل ہوئی تھی اور وہ مواعظ و احکام پر مشتمل تھی لیکن اب وہ فی الجملہ محل نظر ہے کیونکہ اس میں متعدد مقامات پر اہل کتاب نے تحریف کر دی ہے۔

جہاں تک قصہ داؤد کے ضمن میں آیت قرآن (وَعَزَّزْنَا مَلَكًا وَآتَيْنَاهُ الْفُتُوحَةَ وَفَضَّلْنَا الْإِسْلَامَ) کا تعلق ہے اس کا بدیہی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد کو ایک عظیم مملکت کی بادشاہت بخش تھی اور اس میں ان کے احکام نافذ فرما دیے تھے۔

داؤد اللہ کے احکام کے نفوذ اور ان کے عدل و انصاف کے سلسلے میں ان کے عادلانہ فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن جریر اور ابن حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ان کی خدمت میں دو اشخاص حاضر ہوئے جن میں سے ایک گائے کی ملکیت کا مدعی تھا اور ایک کہتا تھا کہ دوسرے نے اس کی گائے پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے جب کہ دوسرا شخص انکار کرتا تھا۔ داؤد نے اس قضیے کا فیصلہ کرنے کے لیے رات تک انتظار کیا۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ انہیں مطلع فرمایا کہ مدعی جھوٹا ہے اس لیے اسے قتل کر دیا جائے۔

اگلی صبح داؤد نے مدعی کو بلا کر اس سے فرمایا کہ "شب گزشتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ حکم دیا ہے کہ میں تجھے قتل کر دوں لہذا اب میں تجھے قتل کرنے پر مجبور ہوں۔ بتا تو کیا کہتا ہے؟"

وہ شخص بولا: "یا نبی اللہ! مجھے اس شخص کے باپ پر میری گائے غصب کرنے کا علم ہوا تھا لیکن میں نے دعویٰ بیٹے پر کر دیا جس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔"

داؤد نے اس شخص یعنی مدعی کو غلط دعویٰ کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا تو لوگوں کا ان کے فیصلوں میں سختی سے عدل و انصاف پر عمل پیرا ہونے کا اور زیادہ یقین ہو گیا اور اس طرح داؤد کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ ان کی صدق دل سے فرمانبرداری کرنے لگے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "عَزَّزْنَا مَلَكًا" (ترجمہ: ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا) سے اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے اور "آتَيْنَاهُ الْفُتُوحَةَ" (ترجمہ: ہم نے ان کو حکمت عطا کی) کا مطلب نبوت ہے۔

جہاں تک قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ "وَفَضَّلْنَا الْإِسْلَامَ" (ترجمہ: اور فضیلت دی کلام سے) کا تعلق ہے اس کے بارے میں شرح و شمی اور قتادہ و ابو عبد الرحمن سلمیٰ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب شہو و ایمان ہے جس کی بناء پر داؤد نے مدعی کو قتل کر دیا اور مدعا علیہ کو چھوڑ دیا تھا۔

مجاہد واسدی کہتے ہیں کہ داؤد کے اس فیصلے سے ان کی اصابت قضا یعنی فیصلے اور فہم و فراست کا ثبوت ملتا ہے۔ مجاہد یہ بھی کہتے ہیں کہ "فصل الخطاب" میں داؤد کے کلام اور ان کے فیصلے کے مابین فصل کی طرف اشارہ ہے۔ ابن جریر نے مجاہد کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے اور مجاہد کی یہ رائے ابو موسیٰ کے اس قول کے منافی بھی نہیں ہے جس میں انہوں نے "اما بعد" کہا ہے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل میں باہمی جھگڑوں اور گواہیوں کی کثرت ہوئی تو داؤد کو ان کی ساعت اور پھر فیصلہ کرنے میں جو فصل غور کرنے اور کسی حتمی نتیجے تک پہنچنے میں رکھنا پڑتا تھا کلام الہی میں "فصل الخطاب" سے وہی مراد ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اکثر فیصلوں میں ہدایت خداوندی بھی شامل ہوتی تھی اور مقدمات کا سماعت کے لیے ان کے سامنے پیش ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم موصول ہونے میں جو وقفہ ہوتا تھا اس ارشاد ربانی میں اس کا مفہوم بھی شامل ہے۔

داؤد کے بارے میں جو قصے بیان کیے گئے ہیں ان میں اسرائیلیات پر مبنی حکایات کثرت سے شامل کی گئی ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کے بارے میں صرف اس قصے پر اکتفا کیا ہے جو قرآن شریف میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرماتا ہے: "وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (ترجمہ: اور اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف)

کسی شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے داؤد کا قصہ سنانے کی درخواست کی تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ "یوں تو ان کے بارے میں بے شمار قصے مشہور ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر اسرائیلی حکایات پر مبنی ہیں لیکن ان کا سچا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث یہ ہے کہ "افضل ترین روزہ داؤد کا روزہ ہے اور یہ کہ وہ نماز میں زبور کی تلاوت ستر طریقے سے ٹھہر ٹھہر کر اور خوش الحانی سے کیا کرتے تھے جس کے دوران میں ان پر رقت و گر یہ طاری رہتا تھا اور اسی طرح وہ قریباً ساری رات عبادت الہی میں گزار دیتے تھے۔" داؤد کے بارے میں اس سے بہتر میں تمہیں کوئی اور بات نہیں بتا سکتا۔"

اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا: "ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ داؤد کے بیٹے سلیمانؑ ہر مہینے کے پہلے تین دن پھر، اس کے وسط میں تین دن اور اس کے آخر میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے اور وہ جب کسی شہر کو فتح کرنا چاہتے تھے تو اس وقت ظاہر ہے کہ خواہ مہینے کے پہلے تین دن ہوں، اس کے درمیانی تین دن ہوں یا آخری تین دن وہ ہمیشہ روزہ سے ہوتے تھے۔ میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دن کے وقت ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے، جو کی روٹی کھاتے تھے اور (مکروں یا بھڑوں کے) بالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنتا کرتے تھے ان کے کوئی پیٹا نہ تھا جو

وفات پاتا اور ان کا کوئی گھر بھی نہ تھا جو اُڑتا اور برباد ہوتا۔ انہوں نے تیر چلا کر کبھی کسی پرند و چرند کا شکار نہیں کیا۔ وہ بنی اسرائیل کی مجلس میں جاتے تو وہاں موجود لوگوں کی ضروریات معلوم کرتے اور انہیں پورا کیا کرتے تھے نیز ساری رات عبادت الہی میں گزار دیتے تھے۔ میں تمہیں، اگر چاہو، یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ان کی والدہ ماجدہ مریم بنت عمران ایک دن روزہ رکھتیں اور بیچ میں دو دن کا نافہ کر کے پھر روزہ رکھا کرتی تھیں۔“

اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ رسول عربی الامی حضرت محمد ﷺ ہر مہینے کے تین دن روزہ رکھا کرتے تھے۔“

داؤد ان کے روزہ کا ذکر امام احمدؒ نے بھی اس کی شہرت کی بناء پر ابی نصر، فرج بن فضال، ابی ہرم، صدقہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کیا ہے۔

داؤد علیہ السلام کی کمیت حیات و کیفیت وفات

تحقیق آدمؑ کے بارے میں احادیث نبوی سے حوالے پیش کیے جاپچکے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اور حوا کو جنت سے نکال کر زمین پر جانے کا حکم دیا تو اس کے بعد حوا کے بطن سے آدمؑ کی جو اولاد پیدا ہوئی وہ رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے وفات پاتی چلی گئی جن میں انبیاء علیہم السلام بھی تھے۔ آخر اپنی اولاد میں ایک ممتاز شخصیت کو سامنے دیکھ کر آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا: ”یہ کون ہے؟“ جواب ملا: ”تمہارا بیٹا داؤد۔“

آدمؑ نے اپنے بیٹے کی شان و شوکت، نبوت و بادشاہت کا اعزاز اور بنی اسرائیل میں اس کی عزت و حرمت اور پسندیدگی و ہر دلچیزی دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ”اس کی ساری عمر کتنی ہو گی؟“۔ جواب ملا: ”ساٹھ سال۔“ آدمؑ نے عرض کیا: ”یا رب! اس کی عمر میں اضافہ فرما دے۔“۔ جواب ملا: ”اس کی عمر میں اضافے کی واحد صورت یہ ہے کہ تمہاری باقی عمر سے دے دی جائے۔“

آدمؑ نے خدا کے سامنے رضامندی کا اظہار کیا تو اس نے آدمؑ کی عمر سے جو ایک ہزار چالیس سال ہو نا تھی چالیس سال نکال کر ان کے اس بیٹے یعنی داؤد کی عمر میں شامل کر دیئے تو اس کی عمر سو سال ہو گئی لیکن خود آدمؑ کے کی عمر جو ایک ہزار چالیس سال ہو نا تھی اب صرف ایک ہزار سال رہ گئی جو اس دعا کے وقت ان کی عمر تھی۔ تاہم جب آدمؑ کی وفات کا وقت آیا تو وہ یہ بات بھول چکے تھے کہ انہوں نے اپنی عمر کے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو بہہ کر دیئے تھے کیونکہ یہ بات آئندہ صدیوں بعد کے واقعات سے متعلق تھی جسے انہوں نے ظاہر ہے کہ عالم تصور میں دیکھا تھا اور اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے بیٹے داؤد کی مقررہ عمر ساٹھ سال کی بجائے سو سال کر دی گئی تھی۔

یہ روایت امام احمدؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ ’ترمذی‘ کی صحیح ’ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابن خزیمہ اور ابن حبان کے حوالے سے بیان کی ہے۔ حاکم نے اس روایت کو مسلمؒ کی سند کی طرح بیان کیا ہے۔ حاکم کا طرز بیان ہم اس سے قبل قصہ آدمؑ میں واضح کر چکے ہیں۔

بعض اہل کتاب نے داؤد کی عمر سٹھ سال بیان کی ہے اور ان کے دور حکومت کو چالیس سال بتایا ہے جب کہ ان کی عمر کے بارے میں ان کا اول الذکر بیان مندرجہ بالا مستند روایت کے پیش نظر قطعاً ناقابل قبول ہے۔ البتہ انہوں نے داؤد کا دور حکومت چالیس سال پر محیط بتایا ہے جسے قبول کرنے میں بظاہر کوئی امر مانع نہیں ہے۔

جہاں تک داؤد کی عمر اور ان کی وفات کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں امام احمدؒ اپنی مسند میں قبیلہ ’المیتوب بن عبد الرحمن بن محمد بن عمرو بن ابی عمرو کی زبانی اور مطلب و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا کہ داؤد بہت با غیرت انسان تھے ’وہ جب کسی مکان سے کبیدہ خاطر ہو کہ باہر آ جاتے تو وہاں دو بارہ نہیں جاتے حتیٰ کہ اس میں رہنے والے ان کے اہل خانہ بھی ان سے معافی کے خواستگار نہ ہوں نہ وہ اس مکان میں اپنے کسی عزیز کو اس وقت تک جانے کی اجازت دیتے تھے۔ تاہم جب وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جہاں ان کی بیوی مقیم تھیں اور انہوں نے انہیں معاف کر دیا تھا تو دیکھا کہ اس مکان کے وسط میں ایک اجنبی کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اس کے بارے میں اپنی بیوی سے دریافت کیا تو وہ کچھ جواب نہ دے سکیں کیونکہ انہیں وہ شخص نظر ہی نہ آیا تھا لیکن جب داؤد نے اس شخص سے براہ راست پوچھا ”تو کون ہے؟“ تو وہ بولا : ”میں وہ ہوں جو بادشاہوں کی، محسروں بلکہ ان کی خواب گاہوں تک میں بغیر کسی رکاوٹ کے داخل ہو جاتا ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے۔ اس شخص سے یہ سن کر داؤد بولے: ”پھر تو تم یقیناً ملک الموت ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری قبض روح کے لیے بھیجا ہے مرحبا!“۔ یہ کہہ کر داؤد جہاں کھڑے تھے وہیں ٹھہر گئے اور عزرائیل ان کی روح قبض کر کے رخصت ہوئے۔ (حدیث نبوی کا لفظی و مفہومی ترجمہ)

مندرجہ بالا روایت کے مطابق داؤد کی تجہیز و تکفین کے بعد ان کی میت جہاں رکھی گئی تھی وہاں دھوپ تھی۔ یہ دیکھ کر ان کے بیٹے سلیمان نے بڑے پرندے کو حکم دیا کہ وہ ان کے باپ کی میت پر اپنے پنکھ پھیلا کر سایہ کر دے۔

امام احمدؒ یہ روایت بیان کرنے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کا منظر چشم خود دیکھ کر بتایا کہ ایک پرندہ کہیں سے آیا اپنا صرف ایک پنکھ آپ کے سینہ مبارک پر پھیلایا اور آپ کی روح پاک آسانی سے آنا فنا قبض کر کے نہ جانے کدھر سے باہر چلا گیا۔

یہ روایت امام احمدؒ کی بیان کردہ اور ان کی اسناد انتہائی قوی ہیں اور ثقہ افراد پر مشتمل ہیں۔

جوہری کی روایت کے مطابق جس پرندے نے داؤد کی میت پر سلیمان کے حکم سے سایہ کیا تھا وہ انتہائی لمبے پنکھوں والا شاہین تھا۔

السدي ابی مالک اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ داؤد کی وفات سنیچر کے روز صبح کے وقت ہوئی تھی اور ان کی میت پر ایک

پرنده سے دھوپ کی وجہ سے سایہ کیا تھا جب کہ اسحاق بن بشر سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ و حسن کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ان کی وفات چہار شنبہ یعنی بدھ کے روز صبح کے وقت ہوئی تھی اور اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔

ابو الحسن بصری بیان کرتے ہیں کہ داؤد ان کے بیٹے سلیمان اور حضرت ابراہیمؑ سب نے صبح کے وقت وفات پائی تھی۔

ابن عساکر اپنی اسناد پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ داؤد اپنی سجدہ گاہ سے نکل رہے تھے کہ ملک الموت ان کے سامنے حاضر ہو گیا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ وہ کھڑے رہیں یا بیٹھ جائیں۔ یہ سن کر ملک الموت نے جواب دیا کہ یا نبی اللہ مجھے سنیں و شہور اور آثار و اذان پر مشتمل صدیوں کا حساب دینا ہوتا ہے۔ ملک الموت سے یہ سن کر داؤد جس چٹائی پر کھڑے تھے اس پر بیٹھ کر سجدے میں چلے گئے اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں وافر بن سلیمان نے ابی سلیمان فلسطینی اور وہب بن منہ کے حوالے سے بتایا کہ داؤد کی وفات کے دن ان کے جنازے میں شرکت کرنے والے لوگ جن میں دوسرے لوگوں کے علاوہ صرف راہبوں کی تعداد چالیس ہزار تھی سب کے سب دھوپ میں بیٹھے تھے اور موسم بھی گرمی کا تھا۔ یہ دیکھ کر سلیمان علیہ السلام نے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے یہ اعجاز بخشا تھا کہ پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حاضرین پر اپنے پروں سے سایہ کر دیں لیکن جب بے شمار پرندوں نے چاروں طرف سے آکر ان کے حکم کی تعمیل کی تو وہاں ہوا کا گزر مشکل ہو گیا جس سے لوگوں کا سانس لینا مشکل ہو گیا اور یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ جس دم کی وجہ سے موت کا شکار نہ ہو جائیں اس لیے سلیمان نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے سے کم سے کم اتنی دور رہیں کہ اس جگہ ہوا تھوڑی بہت آتی رہے۔ چنانچہ ان پرندوں نے وہی کیا اور اس کے بعد وہاں موجود لوگوں کی جان آئی اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے اس اعجاز کے اظہار کا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشا تھا پہلا موقع تھا۔

حافظ ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ انہیں ہمام الولید بن شجاع اور ولید بن مسلم نے ہشام بن حمید الوضین بن عطاء، نصر بن علقمہ، جبیر بن نفیر اور ابی الدرداء کے حوالے سے یہ حدیث نبوی سنائی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ داؤد کی وفات کے بعد بنی اسرائیل ظہور عیسیٰ علیہ السلام سے قبل سو سال تک فتنہ و فساد سے مبرا رہے۔ ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ وہ داؤد کی ہدایت پر بہ تمام و کمال عمل کرتے رہے۔

ہمارے نزدیک یہ حدیث غریب اور محل نظر ہے خصوصاً اس لیے کہ الوضین سے بہت سی ضعیف احادیث منسوب کی گئی ہیں اور وہ خود بھی روایت احادیث میں کمزور ثابت ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم (مؤلف)

قصہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام

حافظ ابن عساکر کے بقول سلیمان کا پورا نام سلیمان بن داؤد بن ایسا بن عوید بن عابر بن سلون بن تحشون بن عینا داب بن ارم بن حصرون بن فلدس بن بیہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن ابی البرکع نبی اللہ بن نبی اللہ علیہ السلام ایک عرصے سے مشہور چلا آتا ہے۔

بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یعنی سلیمان دمشق گئے تھے۔ ابن ماکولا نے ان کا نسب نامہ جو بتایا ہے وہ وہی ہے جو ابن عساکر نے بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”ہم نے سلیمان کو داؤد کا وارث بنایا“ اور یہ بھی فرمایا کہ ”اے لوگو! ہم نے اسے (سلیمان کو) پرندوں کی منطق دی اور بہت سی چیزوں پر اسے اختیار دیا۔ اس پر یہ ہلدا ظاہر و باہر فضل تھا۔“ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پرندوں کی زبان سمجھتے اور دوسروں کو سمجھاتے تھے۔

جہاں تک سلیمان کو داؤد علیہ السلام کی وراثت ملنے کا تعلق ہے اس کا مطلب نبوت و بادشاہت ہے نہ کہ مال و زر جیسا کہ حدیث نبوی سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے جو ان کی اولاد کو نہیں ملتا بلکہ اس کے مستحق وہ محتاج ہوتے ہیں جو ان کے رشتہ دار نہ ہوں کیونکہ انبیاء علیہ السلام کا فرض منصبی تبلیغ دین ہوتا ہے اس لیے وہ دنیا کے مال و زر سے بے نیاز ہوتے ہیں نہ اپنی اولاد کے لیے اسے جمع کرتے ہیں نہ ان کے لیے اسے ترکہ میں چھوڑتے ہیں۔

یہ حدیث متعدد دصحابہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحاح (صح ستہ) میں درج ہے۔

حافظ ابو بکر یثقی متعدد حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے ایک دن دمشق کے قریب درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزرتے ہوئے وہاں دو چڑیوں کو دیکھا جو اپنی زبان میں کچھ باتیں کر رہے تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ”کیا تم جانتے ہو کہ یہ آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں؟“ اور ان کے انکار کرنے پر انہیں بتایا: ”یہ چڑیاں زر اور مادہ ہیں، زر مادہ سے کہہ رہا کہ ”اگر تو میری زوجیت میں آجائے تو میں تجھے رہنے کے لیے غرف دمشق میں جو صحرہ میں ہے ایک گھونسل بنا دوں گا جب کہ صحرہ میں گھونسے کی کوئی جگہ نہیں ہے اور اکثر مدعی اسی طرح کاذب ہوتے ہیں۔“

یثقی کچھ دوسری اسناد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ طیور کی بولی سمجھنے کے علاوہ سلیمان دوسری تمام مخلوقات کی زبان سمجھنے کی خدا کے حکم سے قدرت رکھتے تھے اور انہیں ان پر اختیار حاصل تھا جس کا ثبوت ارشاد باری تعالیٰ (وَ اَوْفینَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ) میں موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ مخلوقات بشمول جنات سب کو حکم دے کر ان سے کام لے سکتے تھے۔ یہ سلیمان کی اپنے پروردگار سے اس دعا کا نتیجہ تھا جو انہوں نے ہر فرمان خداوندی کے اتباع کے حوالے سے اس سے کی تھی۔

کلام الہی (قرآن) میں اس کا ذکر ہے کہ جب سلیمان اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ جن میں جن اور انسان اور سواریاں سبھی ہوتے تھے تو ان کے حکم سے ان سب کو دھوپ اور گرمی سے بچانے کے لیے پرندے ان پر سایہ کرتے ہوئے چلتے تھے۔

قصہ سلیمان کے ضمن میں قرآن میں آیا ہے کہ وہ اسی طرح ایک دفعہ سفر کرتے ہوئے وادی نمل کی طرف جا رہے تھے تو نملہ سے اہل نمل کو خبر دار کر دیا

تھا کہ ان کی آمد سے قبل سب کے سب اپنے اپنے گھروں میں گھس کر بیٹھ جاؤ تا کہ انہیں تمہدا پتہ نہ چل سکے۔ سلیمان کے ساتھیوں کو تو ان کا علم نہ ہو سکا اور انہوں نے وادی نمل میں کسی روح کی موجودگی سے ان کے سامنے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ خود اپنی منہ پر بیٹھ کر اپنے جملہ ساتھیوں اور لاؤ لشکر کے ساتھ وہاں جا پہنچے تھے اور اہل نمل کا پتہ لگا لیا تھا۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ایک واقعہ انہیں وادی طائف میں پیش آیا تھا اور وہ اپنی منہ پر سب کو بٹھا کر وہاں جا پہنچے تھے۔

قرآن میں واقعہ نمل کا ذکر موجود ہے لیکن واقعہ طائف اور اس کی جزئیات کا جو راویوں نے بیان کی ہیں کوئی قرآنی یا دوسرا ثبوت نہیں ہے۔ تاہم اس کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سلیمان اپنی بساط پر بیٹھ کر جہاں چاہتے پہنچ جاتے اور وہ اتنی وسیع و عریض تھی کہ اس پر ان کا سارا لاؤ لشکر بھی آجاتا تھا جس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر پیش کریں گے۔

یہاں اس ذکر سے ہمارا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ سلیمان جہاں جانا چاہتے وہاں کے کوائف معلوم کرنے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے تھے اور وہی انہیں وحی کے ذریعہ ان کی اطلاع بہم فرماتا تھا جب کہ مشہور روایات کہ چرند و پرند جن کی بولیاں صرف وہی سمجھ سکتے تھے۔ ان کے بارے میں قبل از وقت انہیں بتا دیتے تھے من گھڑت کہانیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کیونکہ ان کے برعکس وہ ہر مہم کے موقع پر آیت قرآنی کے مطابق ہمیشہ ”رَبِّ اَوْزِ غَنِي“ (یعنی میرے پروردگار مجھے بتا اور مجھے ہدایت دے) کہا کرتے تھے۔

آیات قرآنی کے مطابق وہ ہمیشہ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کرتے تھے کہ وہ انہیں اپنے صالح بندوں کی سی موت دے اور قیامت میں انہی کے ساتھ اٹھائے ان کی دعا میں جو ان کے والد گرامی داؤد کے اور ان کے بزرگوں کا جو حوالہ ہوتا تھا وہ بھی صرف اس لیے کہ وہ سب صالحین اور طیب و طاہرین میں سے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی دعا اسی لیے درجہ قبولیت کو پہنچتی تھی کہ وہ خود بھی انتہائی صالح اور اپنے پروردگار کے انتہائی فرمان بردار بندے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بھی انتہائی عبادت گزار اور نیک خاتون تھیں اور جیسا کہ سیند بن داؤد نے یوسف بن محمد بن منکر، ان کے والد اور جابر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سلیمان کی والدہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے بیٹے سلیمان کو یہ نصیحت فرمایا کرتی تھیں کہ ”رات کو زیادہ سونے والا قیامت کے دن فقیر ہو گا“۔ یعنی اس کا دامن نیک اعمال سے خالی ہو گا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلیمان کی والدہ ماجدہ شب بیداری و عبادت گزاری کی کس منزل پر فائز تھیں۔

جہاں تک سلیمان کے لیے اللہ تعالیٰ کے طیور و وحوش اور جنات کے مسخر کرنے کا تعلق ہے اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یمن کے شہر سبا اور وہاں کی ملکہ بلقیس کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں جن میں سے بعض مستند اور بعض ضعیف ہیں۔

ملکہ سبا بلقیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا باپ تو بنی آدم میں سے تھا لیکن ان کی والدہ قوم جنات سے تھی۔

ثعلبی کہتے ہیں کہ بلقیس کی حکومت سے قبل ان کی قوم پر جو شخص حکمران تھا وہ شرابی اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا جس کی وجہ سے ساری قوم میں فسادات پھوٹ پڑے تھے اور سارے ملک میں انتشار پھیل گیا تھا۔ یہ دیکھ کر بلقیس نے اسے کچھ لوگوں کی مدد سے تہ تیغ کر کے اس کا سر اس کے قصر کے دروازے پر لٹکوا دیا تھا اور اس حکمران سے نجات پانے کے بعد بلقیس کی ساری قوم پر اس کا سکہ بیٹھ گیا تھا اور وہ تمام کی تمام اس کے زیر فرمان آگئی تھی۔ اس طرح بلقیس اپنی قوم کی سیاہ و سفید کی مالک ہو گئی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے شاہی محل میں جو تخت بنوایا تھا وہ زر و جواہر سے مزین ہونے کے علاوہ اپنی چھت کے لحاظ سے بے نظیر تھا کیونکہ اس میں سچ مچ کے ستارے لٹکتے نظر آتے تھے۔

ملکہ سبا یعنی بلقیس کے اس کروفر کا حال سلیمان سے جب بیان کیا گیا تو انہوں نے اسے اپنے پاس بلانے کا قصد کیا تو ایک جن نے ان سے عرض کیا کہ اگر ان کی اجازت ہو تو وہ بلقیس کو اس کے تخت سمیت ان کی خدمت میں لا کر حاضر کر دے روایت ہے کہ یہ پیشکش کرنے والے آصف بن برخیا تھے اور قوم جنات کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئی تھی۔ تاہم سلیمان نے پہلے ظاہر ہدہد کو حکم دیا کہ وہ پہلے بلقیس کے پاس ان کا خط لے جائے۔

چنانچہ سلیمان کا یہ خط بد بلقیس کے پاس اسی طرح لے گیا جیسے پہلے کبوتر پیغامات اور خبریں لے جایا کرتے تھے۔

بلقیس نے سلیمان کا وہ خط موصول ہونے کے بعد اپنے درباریوں سے مشورہ کیا اس قوم کی طرح سب کے سب سورج کی پرستش کرتے تھے اور بڑے منکر و سرکش تھے اس لیے انہوں نے بلقیس کو مشورہ دیا کہ وہ ہرگز سلیمان کے پاس نہ جائے لیکن ان کے اس مشورے پر جب بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کیا تو انہوں نے جنات کو حکم دیا کہ اسے اس کے تخت سمیت ان کی خدمت میں حاضر کر دیا جائے۔

اس کے بعد سلیمان کی یہ طاقت نیز یہ دیکھ کر کہ تمام وحوش و طیور تک ان کے فرماں بردار ہیں ان کی شان و شوکت اور رعب و دہدے کا اندازہ لگایا اور ان کے دست حق پرست پر ایمان لے آئی۔

ثعلبی کہتے ہیں کہ سلیمان اسے اپنی زوجیت میں لے آئے تھے اور اسے اس کی مملکت میں واپس کر دیا تھا بلکہ وہیں اس کے لیے تین بڑے شان دار محل عدنان، سالمین اور یمون بنوا دیئے تھے اور جب کبھی دوسرے شہروں سے ہوتے ہوئے یمن جاتے تو تین روز اس کے پاس ٹھہرا کرتے تھے جب کہ ابن اسحق بعض اہل علم کے علاوہ وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان نے بلقیس سے شادی نہیں کی تھی بلکہ اس کی شادی ہمدان کے بادشاہ سے کر دی تھی لیکن یمن کی حکمرانی اس کے لیے برقرار رکھی تھی اور وہیں تینوں مذکورہ بالا محل اس کے لیے جنات سے تعمیر کرائے تھے جن کی تعمیر بنی آدم کے لیے محال تھی اور یمن میں بلقیس کا دار الحکومت انہی محلات کی وجہ سے شہر کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ واللہ اعلم

سورہ ص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیے۔ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔ جب ان

کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا۔ (بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ پھر ان کی ناگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا (اور) دُعا کی کہ اے پروردگار مجھے مغفرت کر اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شاہان نہ ہو۔ بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ پھر ہم نے ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی۔ اور دیوؤں کو بھی (ان کے زیر فرمان کر دیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو) تو احسان کر دیا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے۔ اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔“ (۳۸: ۳۰-۴۰)

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے داؤد کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند عطا فرمانے کے علاوہ داؤد کے ان بیٹے یعنی سلیمان کی کچھ صفات بھی بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان تھے اور ہر حال میں اس سے رجوع کیا کرتے تھے اور دوسرے یہ کہ وہ جانوروں کے ساتھ کس طرح شفقت سے پیش آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی ناگوں اور گردنوں پر جو ان کے ہاتھ پھیرنے کا ذکر فرمایا ان کے بارے میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ تلوار سے ان کی ناگوں اور گردنوں کے بال کاٹا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ ان دونوں جگہوں سے ان کا پسینہ اپنے ہاتھوں سے صاف کیا کرتے تھے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس شغل میں کبھی ان کی نماز عصر قضا ہو جاتی تھی کیونکہ سورج غروب ہو جاتا تھا۔ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے اور مثال میں غزوہ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی نماز عصر قضا ہو جانے کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ترک نماز ویسے تو کسی حالت میں جائز نہیں لیکن جنگ کے موقع پر صلاۃ الخوف کا موقع بھی نہ ہو اور اس کا قضا کرنا جائز ہے یا جنگ کے موقع پر گھوڑوں کی تیزی اور ان کا معائنہ کرتے ہوئے وقت عصر گزر جائے تو نماز قضا کر لینا مجبوراً جواز کی حیثیت رکھتا ہے۔

امام شافعیؒ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تائید کی ہے اور مکھول اور اوزاعیؒ نے اس بارے میں شدید جنگ کے مواقع کی شرط پیش کی ہے۔ ہم نے سورہ نساء کی تفسیر کرتے ہوئے اس مسئلے پر بھی گفتگو کی ہے۔

ابن جریر نے ان آیات میں ارشاد باری تعالیٰ کہ سلیمان گھوڑوں کی ناگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے کے بارے میں دو وضاحتی اقوال میں سے کہ سلیمان نے ان کی ناگوں اور گردنوں سے پسینہ صاف کیا کرتے تھے یا تلوار سے ان کی ناگوں کے بال صاف کیا کرتے تھے اور ان کی گردنوں کے بال یا ان کے اجنب (پر) کاٹا کرتے تھے اول الذکر قول کو اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ دوسری وضاحت کے لحاظ سے یہ لازم آتا ہے کہ اس طرح جانوروں کو اذیت دی جائے۔ البتہ وہ بھی کہتے ہیں کہ گھوڑوں کو تلف کرنا یعنی ان کو مار ڈالنا صرف اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے کہ جب یہ خوف ہو کہ وہ زندہ رہے تو دشمن کے ہاتھ لگ جائیں گے جیسا کہ اسی اندیشے کی وجہ سے ایک موقع پر جعفر بن ابی طالب نے اپنے گھوڑے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

سلیمان کے گھوڑوں کی تعداد بعض روایات میں بیس ہزار اور بعض میں دس ہزار بتائی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان میں سے بیس گھوڑے پر دار تھے۔ ابو داؤد نے اپنی کتاب سنن میں دوسرے متعدد راویوں کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حدیث بیان کی ہے کہ غزوہ تبوک کے سفر میں گرمی کی وجہ سے انہوں نے اپنی سواری کا پر وہ ایک طرف سے ذرا سا کھول رکھا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کی سواری کے قریب آکر اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”میں گھوڑے دیکھ رہی تھی۔“ آپ نے فرمایا: ”کیوں؟ کیا آپ نے اس سے قبل کبھی گھوڑے نہیں دیکھے؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ مزاحاً بولیں: ”دیکھے تو ہیں لیکن ایک تو یہ کہ میں نے اتنی بڑی تعداد میں اس سے قبل کبھی گھوڑے نہیں دیکھے تھے، دوسرے یہ کہ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ ان گھوڑوں میں پر دار گھوڑے کتنے ہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ان سے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پر دار گھوڑے! کیا کہیں گھوڑے بھی پر دار ہوتے ہیں؟“ آپ کا یہ سوال سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بولیں: ”میں نے سنا ہے کہ سلیمان کے گھوڑوں میں کچھ گھوڑے پر دار بھی ہوتے تھے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ان کا یہ جواب سن کر آنحضرت ہنس پڑے جس سے آپ کے دندان مہلک نظر آنے لگے۔

بعض علماء کا بیان ہے کہ جب کچھ لوگ اللہ کے نام پر اپنے چوپائے چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں انہیں کوئی ایسی چیز عطا فرما دیتا ہے جو ان کے لیے ان سے زیادہ بہتر ثابت ہوتی ہے جب کہ وہ چوپائے جو اس کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں وہ آزادی سے کبھی کہیں پھرتے رہتے ہیں تاکہ ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے کہیں کم۔

اس مسئلے پر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ ویسے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے اسماعیل اور سلیمان بن مغیرہ نے حمید بن ہلال، ابی قتادہ اور ابی الدہما کے حوالے سے کہ آخر الذکر دونوں اکثر سفر کیا کرتے تھے بیان کیا کہ ان کے پاس دوران سفر میں ایک بدو آیا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز اس کا ہاتھ اپنے دست مہلک میں لے کر فرمایا کہ جب کوئی شخص کوئی چیز خدا کی راہ میں فدیہ کر دیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں کوئی ایسی چیز عطا فرما دیتا ہے جو اس پہلی چیز سے بہتر ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے بلا ضرورت کوئی چیز مت مانگو کیونکہ وہ اس چیز میں جو اس نے تمہیں پہلے ہی عطا فرما رکھی ہے تمہاری بھلائی سمجھتا ہو۔

ہم نے سلیمان کے قصے میں آیت قرآنی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے تخت پر ایک بے سر کا دھڑ پڑا پایا تھا یہاں صرف کلام الہی سے حوالے کے لیے پیش کی ہے جس کے بارے میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم کے علاوہ متعدد دیگر مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے نیز اس کے متعلق اسرائیلیات میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ لغویات و خرافات سے پر ہے اور اسی لیے قابل اعتماد نہیں ہے۔ تاہم ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب تفسیر میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

جہاں تک مؤرخین کے ان بیانات کا تعلق ہے کہ سلیمانؑ اپنے پایہ تخت سے چالیس روز تک غائب رہے تھے اور

YAHAN BOOK MAIN PAGE 32 AND 33 NHIN HAIN

سے بتایا ہے کہ سلیمانؑ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل بیت المقدس میں متکف ہو گئے تھے اور انہوں نے وہیں اپنے مصلیٰ کے سامنے وہ دونوں درخت دیکھے تھے اور پہلے درخت سے اس کا نام دریافت کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ اگر وہ بنی نوع انسان کے مفید مطلب ہے اور دواء کے کام آتا ہے تو سرسبز رہے۔

دوسرے درخت سے جب انہوں نے اس کا نام دریافت کیا تھا تو اس نے خروب بتایا تھا اور اپنے کام کے بارے میں کہا تھا کہ اس کا کام بیت المقدس کے انہدام اور اس کی تباہی سے متعلق ہے۔

السدی مذکورہ بالا حوالوں سے مزید بیان کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو یقیناً یہ پسند نہ تھا کہ سلیمانؑ اپنی آنکھوں کے سامنے بیت المقدس کی تباہی دیکھیں اس لیے اس نے اس سے قبل ان کی موت کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جب وہ نماز کے لیے محراب میں تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہیں وفات پا گئے لیکن وہ اس وقت نماز سے فارغ ہو کر اپنا عصا لیے غالباً محراب سے باہر آنے کا قصد کر رہے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی۔ تاہم جنات ایک عرصے سے یہ سمجھتے رہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے عصا سے ٹیک لگائے کھڑے ہیں اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یہ ان کی دعا کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے اس وقت تک جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ دیمک نے ان کا عصا اندر ہی اندر کھا کھا کر کھوکھلا نہ کر دیا اور ان کا جسد خاکی گر نہ پڑا جنات کو ان کی وفات کا علم نہ ہوا اور وہ حسب معمول ان کاموں میں مشغول رہے جس کا حکم انہیں سلیمانؑ اپنی زندگی میں دے چکے تھے۔ (آیات قرآنی کی توضیح)

بہر کیف سلیمانؑ کی وفات کے کافی عرصہ بعد جیسا کہ اس روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے، جب جنات کو اس کی خبر ہوئی تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر انہیں ان کی وفات کی قبل از وقت اطلاع ہو جاتی تو وہ انہیں بہترین کھانے اور بہتر سے بہتر مشروبات پیش کرتے لیکن مندرجہ بالا آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی وفات کی خبر پانے کے بعد جنات نے آپس میں کہا تھا کہ اگر انہیں ان کی وفات کی خبر پہلے ہو جاتی تو وہ ان کے احکام کی تعمیل کی اذیت سے کافی عرصہ قبل چھوٹ جاتے۔

ابن مسعود متعلقہ آیات قرآنی کی توضیح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ سلیمانؑ کی وفات اور لوگوں میں ان کی شہرت کا درمیانی فصل پورے ایک سال پر محیط تھا، جب کہ جنات اس دوران میں انہیں زندہ سمجھتے رہے تھے کیونکہ اس دوران میں جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے، محراب مسجد اور ان کے درمیان آگ کا ایک الاؤ انہیں نظر آتا رہا جس کے خوف سے انہوں نے محراب کے قریب جانے کی جرأت نہیں کی اور انسانوں سے یہی کہتے رہے کہ وہ زندہ ہیں۔

بہر کیف جب لوگوں کو سلیمانؑ کی وفات کی خبر ہوئی تو انہوں نے جنات کے پہلے بیان کو کذب پر محمول کیا اور بعض نے یہ بھی کہا کہ جنات کو اس کا علم کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ سلیمانؑ کے عصا کو دیمک کا کیڑا رات دن ایک سال تک برابر کھاتا رہا۔ جس کے اختتام پر ان کا جسد خاکی زمین پر گرا تھا۔

سلیمانؑ کی وفات کی خبر مشہور ہونے کے بعد جب بیت المقدس میں داخل ہو کر لوگوں نے ان کا عصا دیکھا تو وہ کھوکھلا ہو کر قریب قریب خاک ہو چکا تھا البتہ اس کے اوپر ایسی مٹی کے کچھ آثار بھی تھے جو جھاڑیوں کی جڑوں میں ہوتی ہے۔

یہ روایت اسرائیلیات سے ماخوذ ہے لیکن اس کی صحت و تکذیب یقینی طور پر بیان نہیں کی جاسکتی۔

ابوداؤد اپنی کتاب القدر میں بیان کرتے ہیں کہ سلیمانؑ نے ملک الموت سے کہا تھا کہ جب اسے ان کی روح قبض کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ انہیں اس کی اطلاع دے دے لیکن ملک الموت نے انہیں جواب دیا تھا کہ ہر نفس کی موت کا وقت تو مقرر ہے لیکن خود اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ عین وقت پر اسے مرنے والے کا نام بتا کر اس کی روح قبض کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے۔

اضحٰ بن فرج اور عبد اللہ بن وہب عبد الرحمن بن زید بن اسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمانؑ کی طرف سے ملک الموت سے اپنی موت کا وقت دریافت کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی موت سے خائف تھے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ملک الموت نے ان سے معذرت کرتے ہوئے انہیں اتنا بتا دیا تھا کہ ان کی وفات کی خبر جن و انس میں سے کسی کو ایک عرصے تک نہ ہو سکے گی۔

ایسی ہی ایک روایت ہمعامت سلف وغیرہ نے بھی بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

اسحق بن بشر نے محمد بن اسحاق اور زہری کے حوالے سے سلیمانؑ کی عمر ان کی وفات کے وقت باؤں سال بتائی ہے اور ان کا دور حکومت چالیس سال بیان کیا ہے جب کہ اسحاق کہتے ہیں کہ ان سے ابو روق نے عکرمہ اور ابو عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ سلیمان علیہ السلام کی عمر ساڑھے پچاس سال ہو گئی اور انہوں نے صرف بیس سال حکومت کی۔ واللہ اعلم

ابن جریر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ سلیمانؑ نے اپنی حکومت کے چوتھے سال بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے رحبعام نے سترہ سال حکومت کی جس میں بنی اسرائیل نے کوئی رخنہ اندازی کی نہ ان میں باہم کسی قسم کے اختلافات پیدا ہوئے لیکن اس کے بعد ان کی مملکت قائم نہ رہ سکی۔